شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا احسانی وعرفانی مقام

جناب محمد ظفر اقبال

(پہلی قسط)

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اتنی ہمہ جہات اور متنوع اوصاف وکمالات سے مملو ہے کہ اگر ان کی بابرکت زندگی کے کسی ایک ہی گوشے کو موضوع بنا کر اس پر لکھا جائے تو مختلف عنوانات پر ایک ایک بسیط مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔ اس حقیقت کے برعکس یہ بات بھی بہت قابل مشاہدہ ہے کہ آزادئ ہند کی مختلف تحریکات میں قائدانہ اور جاں فروشانہ شمولیت نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کو جہاد، سیاسیات اور تحریکات میں قیادت کا استعارہ بنا دیا ہے۔ بلاشبہہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی میدانِ جہاد وتحریکات میں خدمات اس لائق ہیں کہ منصب امامت اور نقش ہدایت کے لیے برعظیم میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اگر کسی شخصیت کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ بجا طور پر صرف شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جہاں اس تکرار و گردان اور تحقیق وتفتیش نے میدان جہاد، تحریکات، زندان واسیری کے ایام میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے تقریباً ہر گوشے کو منظر عام پر لاکر اس باب میں اتباع کی بڑی راہ فراہم کی ہے اور اخلاف کو سلف کے طریق جہاد وسیاست کی ایک محفوظ راہ دکھائی ہے، وہیں اس عمل اور رویّے سے لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بہت سے باطنی، احسانی، عرفانی، اخلاقی، سماجی اور تعلیمی پہلو نظر انداز ہوگئے ہیں، یا اس طرح واضح ہوکر منصۂ شہود پر نہیں آسکے کہ ان سے بلاتحقیق وتفحص رہ نمائی لی جاسکے۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اگر شیخ الہندؒ کی زندگی کا بہ نظرِ امعان مطالعہ کیا جائے تو آپؒ کی شخصیت علم و فضل، درس و تدریس، افتا وتصنیف، مناظرے و وعظ اور سلوک وعرفان میں بھی جہادی اور تحریکی سرگرمیوں ہی کی طرح جامع اور منصب امامت پر فائز نظر آئے گی۔

استحضارِ الٰہی اور جذبۂ عبودیت: لازمۂ احسان

زیرِ نظر تحریر میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے احسانی وعرفانی مقام کا ایک اجمالی جائزہ مقصود ہے۔ احسان وعرفان سے مراد وہ مواجید واحوال نہیں جنہیں فی زمانہ عرفان واحسان کا لازمہ باور کیا جاتا ہے، اگرچہ وسائل اور ذرائع کے درجے میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن یہاں احسان سے مراد بندگی کی وہ

خاص اور متعین صورت ہے جو انسان کی کل زندگی کا احاطہ کر کے اس میں استحضارِ خداوندی اور جذبۂ عبودیت کو پیدا کر دیتی ہے۔ یہی عبودیت یا بندگی تمام تر فضائل و احسان کی بنیادی صفت ہے۔ غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سب سے بڑا لقب ''عبد'' ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام ''عبدیت'' ہی کا بتلایا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو کون سا لقب و وصف سب سے زیادہ پسند ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عبدیت''، اسی لیے سورۂ اسراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (۱)

بندگی کا جذبہ اگر ذہن، ارادے اور طبیعت میں راسخ ہو جائے تو زندگی کا ہر میلان، ہر فعل اور ہر تأثر بندگی کی کیفیت سے معمور ہو جاتا ہے اور عبودیت اور استحضارِ الٰہی انسان کا ''حال'' بن جاتی ہے۔ انسان نیت، ارادے، شعور اور عمل ہر سطح پر تفویض اور سپردگی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی استحضارِ الٰہی کے مراقبے اور خوشنودیٔ رب کی جستجو کو عارفین ''اخلاص'' سے تعبیر کرتے ہیں، جس سے انسان کے ذاتی اوصاف میں اگر ایک طرف خاک ساری و خود احتسابی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو دوسری جانب اس کے اعمال و احوال میں برکت اور تھوڑے عمل کی بڑی جزا مرتب ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''رب اشعث مدفوع بالأبواب لو أقسم علٰی اللّٰہ لأبرہٗ۔'' (۲)

''بہت سارے پریشان حال، پراگندہ حال، گرد و غبار سے اَٹے ہوئے بالوں والے ایسے ہیں جنہیں دروازوں پر دھکیلا جائے، مگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو سچا کر دکھائے۔''

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ذات اور علم کی عینیت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ حدیث ہندوستان میں معروف تھا، چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند کی مسندِ تدریس سے ''قال اللّٰہ وقال الرسولؐ '' کی صدائے دل نواز لگائی۔ آپ کی زبردست شخصیت کے باعث دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۲۰۰/ تک پہنچ گئی۔ آپ کے زمانے میں ۸۶۰/ طلبہ نے حدیث نبویؐ سے فراغت حاصل کی۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ نگار آپ کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حلقۂ درس دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن و حدیث حضرت کو اَزبر تھے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر۔ صحابہؓ و تابعین، فقہاء و مجتہدین کے اقوال محفوظ۔ تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منہ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ بامحاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا اُمنڈ رہا ہے۔ یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ اب

بھی کئی دیکھنے والے موجود ہوں گے کہ وہی منحنی جسم اور منکسر المزاج ایک مشت استخوان، ضعیف الجثہ مرد خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا اور بارہا مسجد کے فرش پر بلا کسی بستر کے لیٹا ہوا نظر آتا تھا، مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے، جو قوت وشوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے۔'' (۳)

معروف مستشرقہ باربرا مٹکاف [Barbara Metcalf] آپ کی تدریسی خصوصیات کے متعلق لکھتی ہیں:

"He was a man of extraordinary energy, teaching ten lessons each day, writing, caring for Muhammad Qasim in his final illness. He was devoted to the school and resisted all invitations to leave it. His fame was especially great in hadith; and his biographer notes, in the course of his career he taught over a thousand students from such distant places as Kabul, Qandahar, Balkh, Bukhara, Mecca, Medina and Yeman. Among them were Anwar Shah Kashmiri, Shabir Ahmed Osmani and Hafiz Muhammad Ahmad, the Leaders of the third generation of ulama at the school." (4)

حافظے اور استحضار کا یہ عالم تھا کہ:

''شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کتابیں دھوپ میں رکھنے کے لیے باہر نکالیں، اتفاق سے میبذی کے کچھ ورق پھٹ گئے، حضرت نے ایک طالب علم سے کہا: اس کو لکھ لو، اس نے کہا: کیسے لکھوں؟ میرے پاس وہ کتاب ہی نہیں۔ فرمایا، اچھا! سال گزشتہ پڑھی، امسال بھول گئے؟ پھر فرمایا: اچھا لکھو، میں بولتا ہوں، چنانچہ زبانی لکھوادیا''۔ (۵)

اس مقام پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حافظے اور استحضار کی لیاقت عارفین کی تصریحات کے مطابق حلال رزق اور نظروں کی حفاظت سے مشروط ہے، جس سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح بہریاب تھے۔ علم اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں اسی عینیت کو آپ کے شیخ ومربی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر سے فقرے میں سمیٹ کر بیان کر دیا ہے کہ: ''محمود علم کا کٹھلا ہے''۔ (۶)

علم وفضل کی یہ لیاقت اور درس وتدریس کی اس شان کے باوجود شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی اور فنائیت ایسی تھی کہ خود فرماتے ہیں:

''میں بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا [گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ] سے عرض کر دوں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجیے، لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کر تو جاتا ہے، لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی

ہے؟ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں، مجھے بھی سند دیجیے، مگر پھر خیال ہوا کہ مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے، جو سند لیتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا! اس لیے کبھی درخواست کی ہمت نہ ہوئی''۔ (۷)

چلیے تھوڑی دیر کے لیے استاذ اور شیخ کے سامنے، اور وہ بھی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے استاذ و شیخ کے روبہ رو اس خاک ساری کی توجیہ کی جاسکتی ہے، لیکن مولانا محمد شاہ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ تو معاصر تھے، ان کے سامنے خاکساری کا اظہار! واقعہ ملاحظہ فرمائیے! یہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کا نفس مزکی ہو چکا ہو۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مرادآباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا۔ حدیث یہ تھی: ''**فقیه واحد أشد علی الشیطٰن من ألف عابد**'' کے ترجمے کا حاصل ''بھاری'' لفظ سے فرمایا (کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے) مجلس میں ایک پرانے عالم تھے جو محدث کے لقب سے معروف تھے، انہوں نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ: ''أشـــــد'' کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ تو مولاناؒ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت! مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا، مگر انہوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا حضرت کے ارشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہوگئی اور بیان سے بچ گیا۔ حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی اس کا کچھ پوچھنا نہیں، دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی۔ گو مولاناؒ نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جاکر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیاز مندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: حضرت! غلطی کی وجہ معلوم ہوجائے تو آئندہ احتیاط رکھوں۔ انہوں نے کڑک کر فرمایا کہ: ''أشد'' کا ترجمہ آپ نے ''أثقل'' سے کیا یہ کہیں منقول نہیں، ''أضـر'' سے کرنا چاہیے۔ مولاناؒ نے فرمایا: اگر کہیں منقول ہو تو؟ انہوں نے کہا: کہاں ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا: حدیثِ وحی میں ہے، کسی نے پوچھا: ''**کیف یـأتیک الوحـی؟**'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟) جواب میں ارشاد ہوا: ''**یـأتینـی أحیـانا مثل سلسلة الجـرس وهـو أشـدهٗ عَلیَّ**'' (کبھی وحی مجھ پر گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) اور ظاہر ہے کہ یہاں ''أضـر'' (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ممکن نہیں، ''أثقل'' (زیادہ بھاری) ہی کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ بس! یہ سن کر ان کا تو رنگ فق ہوگیا، مگر مولاناؒ نے نہ کچھ اس پر فخر کیا، نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا''۔ (۸)

شیخ الہندؒ: فیض قاسمی کا شجرۂ طوبیٰ، خاکساری کا نتیجہ

لِلّٰہیت اور خاکساری کے یہی وہ اوصاف تھے جنہوں نے شیخ الہندؒ کو ترکِ ذات کے مقام علیا

تک پہنچادیا تھا، اس لیے کہ خدا کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اسے رفعت عطا کریں گے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اسی وصف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے نام گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا عبدالعدل صاحبؒ، حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی حفظ اور ذہن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے درجے میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی۔ ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کیے جاتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہوسکا۔ آج فیض قاسمی عالم میں میزابِ محمودی سے جاری ہے''۔ (۹)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج وطبیعت میں اخفاء کا بھی غلبہ تھا، اپنے علم وفضل کے اخفاء کے حوالے سے آپ ہو بہو اپنے استاذ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم رنگ وآہنگ تھے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ بہت ہی معروف ہے کہ:

''اس علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا''(۱۰)

یہی فقرہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے متعلق منقول ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم سے نہ نوازا ہوتا تو اپنے کو اس قدر مٹاتے کہ محمود نام کا کوئی رہ نہ جاتا''۔ (۱۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی تواضع کی برکت سے آپؒ کے نام کو رہتی دنیا تک کے لیے علم وفضل سے لے کر حریت اور جہاد تک ہر جگہ نمایاں فرمادیا۔

ذوقِ عبادت اور حسن معاشرت: اساسِ بندگی

عبودیت اور بندگی کو دو بنیادی اوصاف: ذوقِ عبادت اور حسن معاشرت کے بلیغ عنوانات میں سمویا جاسکتا ہے۔ عبادت، بندگی کا لازمہ اور تخلیق کی وجہ اصل ہے۔ لیکن ضابطے کی عبادت اور ذوقی عبادت میں بہت فرق ہے۔ عبادت کا ذوق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کے لیے عبادت دل کا سکون اور لذت وفرحت کا سامان بن جائے۔ عبادت کے دو بنیادی مظاہر ہیں: تلاوت اور نماز۔ ایسا شخص جسے ذوقِ عبادت حاصل ہو تلاوت اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور نماز مخاطبت کا۔ اذکار واوراد کی کثرت اور اس پر استمرار سے مقام عبودیت کو رسوخ کامل حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: باجماعت نماز اور نوافل کا غیر معمولی اہتمام

واقفین حال شہادت دیتے ہیں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ذکر، تلاوت اور نماز طبیعت ثانیہ بن

گئی تھیں۔ عبادت کی خشتِ اول نماز باجماعت کی پابندی ہے جس کی عادت رفتہ رفتہ عبادت بن جاتی ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ باجماعت کا تو اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ تک فوت نہ ہوتی''۔ (۱۲)

ذوقِ عبادت کا یہ وافر حصہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو زمانۂ طالب العلمی ہی میں عطا ہوا تھا۔ باجماعت نماز کے علاوہ صلوٰۃ اللیل اور دیگر اوراد و وظائف سے متعلق مولانا میاں سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (محمود حسنؒ) ایام طالب علمی ہی سے قیام لیل کے پابند تھے.....دن کو تعلیم وتعلّم کا شغل رہتا تھا، رات کو ادائے اَوراد واذکار معمولۂ مشائخ اور تعلیم فرمودۂ حضرت استاذ کا۔ شب کو دس گیارہ بجے تک حضرت استاذ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں رہتے اور اس کے بعد گاہ گاہ رات کو مطالعہ وسبق دیکھتے۔ ذرا آرام کر کے نوافل اور ذکر اللہ میں مصروف ہو جاتے''۔ (۱۳)

عبادات ومعمولات میں تستّر و اِخفاء کا عالم یہ تھا کہ پوری کوشش فرماتے کہ کسی کو آپ کے معمولات کی خبر نہ ہو۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ اللیل سے تو گویا آپؒ کو عشق تھا۔ جب دیکھا کہ سب سو چکے ہیں، چپکے سے اُٹھے اور نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ طویل طویل رکوع اور قیام میں پوری پوری رات گزار دیتے، لیکن جہاں کہیں بھی ذرا سی آہٹ محسوس کرتے کہ کوئی جاگ رہا ہے، فوراً ہی لیٹ جاتے، تاکہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہو جائے کہ حضرت سو رہے ہیں''۔ (۱۴)

کسی بے تکلف نے ایک مرتبہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دریافت کر لیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کے جاگ جانے کے خیال سے نماز کیوں توڑ دیتے ہیں؟ فرمایا:

''بھائی! نفلی نماز کو توڑنے کے بعد دوسرے وقت ان کی قضا میرے لیے زیادہ سہل ہے اور بہتر ہے اس سے کہ لوگ میرے بارے میں حسن ظن رکھیں اور واقع میں میں ایسا نہ ہوں''۔ (۱۵)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: کثرتِ عبادت کے باعث پاؤں کے ورم پر خوشی

ایک مرتبہ کثرتِ عبادت کی بنا پر پاؤں ورم کر گئے تو اس پر خوش ہو کر فرمایا:

''آج ایک سنّت -''حتی تورمت قدماہ'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک کثرتِ قیام کی بنا پر ورم کر جاتے تھے''- پر آج اتباع نصیب ہوا''۔ (۱۶)

اتباعِ سنت: مجاہداتِ سلوک کا نقطۂ منتہا ومقصود

اتباعِ سنت تمام تر مجاہدات اور سلوک وعرفان کا پھل ہے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اتباعِ سنت کا یہ عالم تھا کہ:

''قیام دیوبند کے دوران جمعے کے روز دیوبند سے باہر نہر پر تشریف لے جاتے، کپڑے

دھوتے، پھر غسل فرماتے، یہاں تک کہ کپڑے پھریرے اور پہننے کے قابل ہو جاتے تو پہن کر ایسے وقت چلتے کہ جمعے کی اذان ہونے لگتی اور اذان سنتے ہی ایک دوڑ لگاتے کہ آیت کریمہ: ''إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ''..... ''جب نماز جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو'' پر عمل ہو سکے''۔ (۱۷)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: عبادت اور اطاعت کا مظہر کامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''رأس الأمر فالإسلام وأما عمودهٗ فالصلوٰة وأما ذروة سنامهٖ فالجهاد۔''(۱۸)

''اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔''

بندگی کی غایت اصلی کے دو بڑے مظاہر ہیں: نماز اور جہاد۔ بندگی کے تشکیلی عناصر کا دائرہ ان ہی دو قوسوں سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مظاہر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہی نہیں، عین یک دیگر ہیں اور غایت ان کی ایک ہے: بندگی۔ نماز عبادتِ الٰہی کا مظہر کامل ہے اور جہاد نیابتِ الٰہی کا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بندگی کے یہ دونوں مظاہر پوری شان سے جلوہ گر تھے۔ جہاد سے وابستگی ہی نے انہیں ''اسیر مالٹا'' بنایا تھا۔ اور نماز جسے متذکرہ حدیث میں عبادت کے استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس میں انہماک کا عالم یہ تھا کہ فرائض تو فرائض ہی تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے معمولہ نوافل، اَوراد واذکار اور معمولات کی اس پابندی میں نہ درس و تدریس کی مشغولیت رکاوٹ بنتی تھی نہ ہی تحریک و جہاد کی مصروفیت، حتیٰ کہ ایام اسیری میں بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ معمولات اپنی ترتیب کے مطابق انجام دیتے رہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مولانا عشاء کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے، کچھ اپنے اَوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو فرماتے۔ کبھی کبھی باتیں بھی کرتے تھے اور پھر سو جاتے تھے، کیوں کہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا، سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں خود ہی بجھ جاتی تھیں۔ البتہ پھر وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور راستوں کی روشنی کے لیے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں، ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علاحدہ تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اُٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں سے نکلتے دروازے سے باہر تشریف لاتے، پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے، گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی، نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانے میں ہم نے یہ خاص اہتمام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے

لوٹے میں جو کہ چائے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا اور اس میں ٹینٹو پیچ دار لگی ہوئی تھی اور اس میں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا' پانی خوب گرم کرلیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرے میں جہاں پرنل لگا ہوا تھا، اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے۔ یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا، حال آں کہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی، اندھیرے ہی میں جا کر اس میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ جب اس سے فارغ ہوجاتے تو پھر چارپائی پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکرِ خفی میں مشغول رہتے تھے اور ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی۔ اسمِ ذات کی کوئی مقدار معین کر رکھی تھی، اس کو ہمیشہ بالتزام پورا فرماتے۔ مراقبے کا اس قدر انہماک ہوگیا تھا کہ بعض اوقات میں دو دو تین تین مرتبہ باتیں دھراتے، مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پیشتر اکثر پیشاب کرتے اور وضو کی تجدید فرما کر نماز باجماعت ادا فرما کر وہیں مصلےٰ (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اس وقت مولانا کے لیے اُبلے ہوئے انڈے اور چائے تیار رہتی تھی' وہ پیش کردی جاتی تھی۔ اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس سے فارغ ہوکر کچھ ترجمۂ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے۔ اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا، کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے۔ اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لیے ورواله یا سینٹ کلیمت کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہن کر تیار ہوجاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لیے دوسرے کیمپ میں سے آتا تو اس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے ڈال دیتے اور اس پر کمبل اور تکیہ بچھا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدّوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علاحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوئے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اٹھا لیے جاتے تھے۔ تقریباً دو یا ڈیڑھ گھنٹے تک اسی طرح آرام فرماتے تھے۔ پھر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوتِ قرآن شریف، دلائل الخیرات، حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے، مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھتے تھے۔ ظہر کی اذان تک اسی حالت میں رہتے تھے، پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہوکر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اَوراد سے فارغ ہوکر کھانے کے وقت تک

پڑھاتے تھے، بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ خفی لسانی میں مشغول ہوتے تھے، وہ ایک ہزار دانے والی تسبیح چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے تھے۔ مغرب کے بعد بھی ذکرِ خفی میں مشغول ہوجاتے تھے۔'' (۱۹)

حوالہ جات

۱:.....ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ، کراچی: مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۱۰ء، جلد:۱، ص:۲۶۳۔

۲:.....مسلم بن الحجاج القشیریؒ، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ، رقم:۱۲۸۱۔

۳:.....عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان، لاہور: مکتبہ رشیدیہ، ۲۰۰۱ء، ص:۲۳۶۔

4:Barbara Metcalf, "The Madrasa at Deoband: A Model for Religious Education in Modern India", Modern Asian Studies, 12, I, [1978], p. 122.

۵:.....محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، لاہور: مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۲ء، جلد:۲، قسط:۷، ص:۹۳۔

۶:.....عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، [مرتب: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری]، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، ۲۰۰۷ء، ص:۱۴۳۔

۷:.....محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، لاہور: مکتبہ الحرمین، [س-ن]، جلد:۲، ص:۶۰۷۔

۸:.....اشرف علی تھانویؒ، ''ذکر محمودؒ''، مشمولہ تذکرہ شیخ الہندؒ، ص:۵۳۰-۵۳۱۔

۹:.....حسین احمد مدنیؒ، مکتوبات شیخ الاسلام، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، ۱۹۹۴ء، جلد:۲، ص:۲۰۰-۲۰۱، مکتوب:۶۲۔

۱۰:.....محمد یعقوب نانوتویؒ، ''سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی''، مشمولہ نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، کراچی: میر محمد کتب خانہ، [س-ن]، ص:۸۔

۱۱:.....میاں اصغر حسینؒ، حیات شیخ الہندؒ، لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۷ء، ص:۱۶۷۔

۱۲:.....عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص:۱۵۰۔

۱۳:.....میاں اصغر حسینؒ، حیات شیخ الہندؒ۔

۱۴:.....عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص:۱۵۰۔

۱۵:.....ایضاً، ص:۱۵۱۔

۱۶:.....محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، لاہور: مکتبہ مدنیہ، ۱۹۸۶ء، جلد:۱، ص:۱۰۶۔

۱۷:.....ایضاً۔

۱۸:.....المستدرک علی الصحیحین، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، کتاب الجہاد، جلد۲، ص:۸۶، رقم:۲۴۰۸۔

۱۹:.....عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص:۱۵۱-۱۵۳۔

(جاری ہے)